حضرت یونسؑ کا ذکر قرآن مجید میں

از مولانا ابوالقاسم محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی

حضرت یونس (علیہ الصلوٰۃ والسلام) جن کو تورات کی زبان میں یوناہ یا یوناں کہا گیا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً آٹھ سو سال پہلے موصل کے مشہور شہر نینویٰ میں ارشاد و ہدایت کے لیے بھیجے گئے۔ نینویٰ آشوریوں کی زبردست حکومت کا پایۂ گاہ تھا اور بت پرستی اس زمانہ میں ان کا مذہب تھا۔

وہ اپنے تمدن اور حکومت کی وسعت و عظمت کے گھمنڈ میں خدائے برتر کی توحید اور دین حقیقی کی معرفت سے نفور، شرک و جہالت کی سرمستیوں میں مخمور تھے۔

خدائے برتر کے قانون "وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ" (کوئی جماعت ایسی نہیں جس میں ہمارا نذیر نہ آیا ہو) کے مطابق حضرت یونس (علیہ الصلوٰۃ) منتخب کیے گئے کہ وہ اس قوم کو راہ حق بتائیں، خدائے واحد کا پیغام سنائیں۔ اور شرک اور فسق و فجور کے انجام بد سے خوف دلائیں تاکہ خدا کی حجت ان پر پوری ہو جائے اور ان کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے۔

وَلَوْ اَنَّا اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى

اور اگر ہم ان مشرکوں کو اس (رسول کی بعثت) سے پہلے ہلاک کر دیتے تو وہ یہ ضرور کہتے اے ہمارے پروردگار ہمارے پاس تو نے رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم آج کے دن ذلیل و رسوا ہونے سے پہلے تیری آیات کی پیروی

اور رب العزت کا قانون بھی یہی ہے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا اور ہم کسی قوم کو عذاب میں اس وقت تک مبتلا نہیں کرتے جب تک کہ ان میں رسول نہ بھیج دیں

یعنی رسول کے شمع ہدایت دکھانے اور صحیح راہ بتانے کے باوجود پھر بھی کوئی قوم نافرمانی و سرکشی پر قائم رہے تو عذاب کی مستحق ہو جاتی ہے اور اُس کی تباہی و بربادی خود اُس کے اپنے کردار بد کا نتیجہ ہوتی ہے۔ لیکن عذابِ الٰہی آنے کی شرط یہ ٹھہری کہ رسول آئے اور قوم اُس کے سمجھانے پر کسی طرح نہ مانے اور تمرد و سرکشی پر برابر مصر رہے تو ظاہر ہے جو قوم یا فرد نزولِ عذاب سے پہلے اپنے نبی کی ہدایت کو قبول کرے اور اُس کی دعوتِ حق پر ایمان لے آئے وہ عذابِ الٰہی سے محفوظ اور خدا کے فضل و کرم سے محفوظ ہوگی۔ اس لیے نہ ماننے والوں کے لیے کہا گیا:

أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِمْ مِدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَأَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ۔ (الانعام)

کیا انہوں نے دیکھا نہیں؟ اُن سے پہلے کتنی قوموں کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ جن کو روئے زمین پر اس قدر قدرت دی تھی جتنی تم (اہل مکہ) کو نہیں دی اور اُن پر خوب بارشیں برسائیں اور نہریں جاری کر دیں اُن کے نیچے پھر ہلاک کر دیا ہم نے اُن کو اُنکی نافرمانیوں کی وجہ سے اور پیدا کر دیا اُن کے بعد دوسری قوموں کو۔

وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا۔ (بنی اسرائیل)

اور جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ کسی بستی کو ہلاک کریں تو اس کے مرفہ الحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں وہ نافرمانیاں کرتے ہیں پس عذاب کا حکم اُن پر ثابت ہوتا ہے تو ہم اُنکو بالکل برباد کر دیتے ہیں۔

وَتِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَوْعِدًا

اور یہ بستیاں ہیں ہم نے ان کو ہلاک کر دیا جب کہ بسنے والوں نے ظلم کا شیوہ اختیار کیا اور اُنکی ہلاکت کے لیے ہم نے ایک میعاد مقرر کر دی۔

اور حق کو تسلیم کرنیوالوں اور صلاح و خیر کی زندگی بسر کرنے والوں کو یوں بشارت دی گئی۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ

اور نہیں ہے تیرا رب کہ ہلاک کرے بستیوں کو ظلم سے درآنحالیکہ

وَاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ۔ (سورۂ ہود) اُس کے بسنے والے نیکوکار ہوں

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وعدہ کیا ہے اللہ نے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے اور اُنہوں نے

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۔ نیک کام کیے کہ اُنکے واسطے بخشش اور بڑا اجر و ثواب ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ اور جو لوگ ایمان لائے اور اُنہوں نے نیک کام کیے (اور ہم کسی کو اُسکی

نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ وسعت کو زیادہ تکلیف نہیں دیتے) یہی جنت والے ہیں اور

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (الاعراف) اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

نیز دعوت و تبلیغ حق کے سلسلہ میں یہ بھی سُنۃ اللہ رہی ہے کہ اگر کوئی قوم خدائے برتر کے سچے پیغمبر کو جھٹلاتی اور دعوت حق کو ٹھکراتی ہے تو خدا کا نبی...... اُس قوم کو دنیا میں عذاب الٰہی نازل ہونے کی خبر سُناتا ہے اگر اس پر بھی سرکشی اور تمرد پر بت قائم رہتی ہے تو نبی اور اُن افراد کے علاوہ جنہوں نے صحیح ایمان و اعتقاد کے ساتھ پیغام حق کو قبول کر لیا ہے، باقی قوم کو ان کے سامنے ہی عذاب سے تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے واقعہ میں ہے۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي پس اُنہوں نے نوح کو جھٹلایا تو ہم نے اُس کو اور اُن لوگوں کو جو

الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ کشتی میں سوار تھے نجات دی اور اُن لوگوں کو غرق کر دیا،

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ۔ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، وہ ایک اندھی قوم تھی۔

اور حضرت ہود کی قوم عاد کے متعلق ارشاد ہے:۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ پس ہم نے ہود کو اور جو اس کے ساتھ تھے اپنی رحمت سے نجات

قَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا دی اور جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا اُن کی جڑیں کاٹ

مُؤْمِنِيْنَ ۔ دیں اور وہ مومن نہ تھے۔

اور حضرت صالح کی قوم ثمود کے لیے فرمایا گیا۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جَاثِمِيْنَ۔ پس آلیا ثمود کو زلزلے نے تو وہ اپنے گھروں میں زمین پر اوندھے پڑے رہ گئے۔

اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے لیے فرمایا گیا۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۔ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۔ پس ہم نے لوط (علیہ السلام) اور اُس کے خاندان کو نجات دے دی بجز اس کی بیوی کے کہ وہ رہجانے والوں میں سے تھی اور اس کی قوم پر پتھروں کی بارش کردی پس دیکھو مجرمین کا انجام کیسا ہوا۔

اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے لیے کہا گیا :۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۔ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ۔ (اعراف) پس آیا اُن کو زلزلے نے اور رہ گئے وہ اپنے گھروں میں زمین پر ڈھیر شعیب کے جھٹلانے والے ایسے ہوگئے گویا کبھی ان گھروں میں بسے ہی نہ تھے شعیب کو جھٹلانے والے ہی خسارہ میں ہیں۔

خدائے برتر کے مسطورۂ بالا قانون اور تبلیغ و انذار کے بارہ میں مذکورۃ الصدر سنۃ اللہ کے مطابق ہی حضرت یونس اور اُن کی قوم کا معاملہ بھی پیش آیا۔ مگر افسوس کہ انبیاء علیہم السلام کے بعض دیگر قصص و وقائع کی طرح حضرت یونس (علیہ السلام) کے واقعہ میں بھی چند گتھلکیں پیدا کردی گئی ہیں، اور بعض ملاحدۂ عصر نے اپنے مزعوم اور باطل عقائد کی اساس کو محکم و مضبوط بنانے کے لیے مفسرین کے بیان کردہ احتمالات سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کی سعی کی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ آیات قرآنی کی تفسیر میں مختلف اقوال و احتمالات کا ذکر اس اعتبار سے تو بہتر و مناسب ہے کہ ایک تحقیق کرنے والے کے سامنے مسئلہ کا خیر و شر پوری طرح آجاتا ہے لیکن یہ طریقۂ بیان کہ نقل اقوال کے بعد قرآن عزیز اور احادیث صحیحہ کی نصوص کی روشنی میں

علمی اقتضیٰ مدلل و مبرہن قول کو فیصلہ کن قرار نہ دینا اور سب قسم کے احتمالات کو کم و بیش فرق مراتب کے بیان کر کے ناظر کے سامنے ایک ذخیرہ کی شکل میں پیش کر دینا، نہ صرف مقصد تفسیر کے خلاف اور مضر ہے بلکہ اکثر ملاحدہ و زنادقہ کو اسلامی عقائد میں رخنہ اندازی کا اور غیر مسلموں کو اسلام کے خلاف مواد فراہم کر کے رائی کو پہاڑ بنانے کا بہترین موقعہ اسی ذریعہ سے ہاتھ آجاتا ہے اور آتا رہا ہے چنانچہ حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ میں بھی یہی صورت پیش آئی اور بعض ملاحدہ نے ایک کمزور احتمال سے فائدہ اٹھا کر اپنے باطل عقیدہ کی بنیاد اس پر رکھ دی اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر قرآن عزیز میں سورۂ انعام، یونس، انبیاء، والصّٰفّٰت، اور القلم میں آیا ہے۔

سورۂ انعام میں تو صرف اُن کی جلالت شان، اور پیغمبرانہ عظمت کا تذکرہ ہے۔

وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۚ	اور اسمٰعیل اور الیسع اور یونس اور لوط، ہر ایک کو تمام جہان
وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (انعام)	والوں پر ہم نے فضیلت دی ہے۔

اور سورہ یونس میں قوم کے ایمان لانے اور اس وجہ سے اُن پر سے عذاب الٰہی ٹل جانے کا مختصر طور پر ذکر ہے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ	اور تو اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کی آیتوں
اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ اِنَّ الَّذِيْنَ	کو جھٹلایا کہ تو نقصان اُٹھانے والوں میں ہو جائے یقیناً وہ لوگ
حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ	جن پر تیرے پروردگار کے کلمات ثبت ہو چکے ہیں۔ وہ ایمان
وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ	نہ لائیں گے، اگرچہ اُن کے پاس ہر قسم کی آیت آجائے یہاں
الْاَلِيْمَ ۔ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ	تک کہ وہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔ پس ایسا کیوں نہ ہوا کہ
فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ لَمَّآ	کوئی بستی ایمان لے آتی اور اُس کو ایمان لانا نفع پہنچاتا قوم یونس کے

اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي سوا۔ جبکہ وہ ایمان لے آئے تو ہم نے اُن سے ذلت کا عذاب
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝ ٹال دیا اور ایک مدت تک اُن کو پھلنے پھولنے دیا۔

مفسرین نے اس آخری آیت میں (جس میں حضرت یونس کی قوم کا تذکرہ ہے) دو بحثیں پیدا کی ہیں۔ ایک یہ کہ یونس علیہ السلام کی قوم کا ایمان کامل یعنی حقیقی ایمان تھا یا ناقص کہ محض عذاب کے خوف سے اقرار کیا ورنہ دل میں اسلام کی حقیقت جاگزین نہ تھی، ان دو احتمالات کے بعد یہ بحث پیدا ہوئی کہ اگر ایمان کامل تھا تو خیر ورنہ سوال یہ ہے کہ ایمان ناقص عذاب الٰہی کے ٹل جانے کا باعث ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اور پھر کہا گیا کہ ہاں عذاب دنیا ٹل سکتا ہے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ حضرت یونس نے اپنی قوم کے سامنے عذاب الٰہی کی جو ڈرانے والی پیش گوئی کی تھی وہ عذاب قوم پر آیا یا نہیں۔ اس میں بھی دو قول یا دو احتمال قائم رہے۔

۱۔ عذاب آیا مگر اُن کے خوف و تضرع کی وجہ سے ٹل گیا۔

۲۔ نہیں آیا صرف علامات دیکھ کر ہی قوم نے واویلا شروع کر دی اور ظاہری ایمان لا کر اپنے تئیں عذاب سے بچا لیا۔

اور پہلی شکل میں جب یہ سوال پیدا ہوا کہ خدا کا قانون یہ ہے کہ عذاب آنکھوں کے سامنے آجائے اور مشاہدہ ہونے لگے تو اُس وقت ایمان معتبر نہیں ہوتا، کیونکہ یہ ایمان اضطراری ہے اختیاری نہیں، جیسا کہ بحر قلزم میں غرق ہوتے وقت عذاب الٰہی کے مشاہدہ پر فرعون نے اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ کہا مگر اُس کا یہ اضطراری ایمان معتبر نہ سمجھا گیا۔ پھر قوم یونس کا اضطراری ایمان کیوں معتبر ٹھہرا؟

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ حضرت یونس کی قوم کی خصوصیت ہے کہ قانون عام سے الگ اُن کی خطا کو ایسی حالت میں معاف کر دیا گیا۔

اور ان تمام احتمالات میں ایک نہایت رکیک اور باطل احتمال یہ ہے کہ "عذاب الٰہی محض ظاہری تضرع سے ٹل گیا اور حضرت یونس کی پیش گوئی پوری نہ ہوئی"

مسٹر محمد علی لاہوری نے اپنی تفسیر "بیان القرآن" میں اسے نقل کر کے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی پیشگوئیاں پوری نہیں ہوئیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، حضرت یونس علیہ السلام کی انذاری پیشگوئی بھی پوری نہ ہوئی تھی۔

لاہوری مفسر کی عبارت حسب ذیل ہے:۔

جہاں انبیاء کے مکذبین کی ہلاکت اور تباہی کا ذکر کیا ایک ایسے نبی کا بھی ذکر کر دیا جس کے مخالفین باوجود نہ ماننے کے آخر توبہ کر کے عذاب الٰہی سے بچ گئے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کی طرف حضرت یونس کو بھیجا گیا۔

ابن کثیر میں ہے کہ حضرت یونس نے اہل نینویٰ کو عذاب سے ڈرایا مگر انہوں نے نہ مانا۔ تب یونس اُن کے درمیان سے چلے گئے (تاکہ عذاب کے مقام سے الگ ہو جائیں) تب ان لوگوں نے ..... اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور اللہ تعالیٰ نے وہ عذاب دور کر دیا پھر دو گروہ ہیں۔ ایک کہتے ہیں کہ اُن سے صرف عذاب دنیا دور کیا گیا اور عذاب اُخروی نہیں (گویا وہ فی الواقع ایمان نہ لائے تھے صرف عذاب کے خوف سے رجوع کیا) اور دوسرے کہتے ہیں کہ عذاب اُخروی بھی اُن سے دور کیا گیا اور وہ ایمان لے آئے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انذاری پیش گوئیاں ٹل بھی جاتی ہیں۔ حالانکہ ایک نبی کی زبان سے وہ ظاہر بھی کر دی گئی ہوں۔ اور گو رجوع کامل ہو جس میں ایمان صحیح ہو یا ناقص ہو کہ صرف عذاب کے خوف سے رجوع کیا جائے۔

اب آپ اندازہ لگائیے کہ ایک ایسے صاف و صریح واقعہ کے متعلق بھی جو انبیاء سابقین اور

اُن کی اُمتوں کے ساتھ سنۃ اللہ کے مطابق ہمیشہ ہوتا آیا ہے محض احتمالاتِ عقلی کی بناء پر کس قدر اُلجھنیں پیدا ہوگئیں اور کس طرح ایک غلط عقیدہ کی بنیاد کے لیے جگہ پیدا کرلی گئی۔

واقعہ کی حقیقت | نص قرآنی اور احادیث صحیحہ سے واقعہ کی اصل حقیقت پر جو روشنی پڑتی ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ حضرت یونسؑ نے اپنی قوم کو خدا کا پیغام سُنایا اور توحید کی دعوت دی۔ قوم نے نہ مانا اور سرکشی و مخالفت کا مظاہرہ کیا، اس پر اللہ کے پیغمبر نے اُن کو عذابِ الٰہی کے نزول کی اطلاع دی، اور ایک مرتبہ پھر سعی کی کہ وہ تمرد اور حق کی مخالفت سے باز آجائیں اور دل میں خوفِ خدا پیدا ہو مگر قوم پر کچھ اثر نہ ہوا۔ حضرت یونس بے مدلول ہوئے اور نزول عذاب سے پہلے ہی ہجرت کرکے وہاں سے چلے گئے

قوم پیغمبر کی زبانی یہ سُن چکی تھی کہ گذشتہ قوموں پر عذاب الٰہی کے آنے کی سب سے بڑی علامت یہ ہوتی تھی کہ خدا کا پیغمبر وہاں سے ہجرت کرکے چلا جاتا تھا۔ جیسا کہ آپ انبیاء کے واقعات میں ابھی سُن چکے ہیں۔

قوم یونسؑ اگرچہ ابتداءً اپنے نبی کی تکذیب کرتی اور پیغامِ حق پر ہنستی رہی، اور اُس نے عذاب کی خبر کی کوئی پروا نہ کی لیکن پیغمبر کے چلے جانے سے اُس کی چشمِ عبرت وا ہوئی اور وہ گھبرا اُٹھی اور حضرت یونس کی تلاش میں سرگرداں رہی اور جب حضرت یونس نہ ملے تو پھر خود درگاہِ الٰہی میں سرنیاز جھکا دیا، انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ توبہ کی اور صداقتِ ایمانی کے ساتھ مؤمنین کی صف میں شامل ہوگئے اور اس طرح خدا کا عذاب اُن سے ٹل گیا۔ اور تمام امم سابقہ میں صرف قوم یونس ہی کی یہ خصوصیت ہے کہ پوری قوم مشرف باسلام ہوگئی۔

نص قرآنی کی روشنی میں واقعہ کی تحلیل | اب ذرا انصاف کے ساتھ نص قرآنی کی روشنی میں اس واقعہ کا تجزیہ کیجیے اور ایک ایک جزء کے متعلق غور فرمائیے کہ صورت حال یہی ہے جو سطور بالا میں

ظاہر کی گئی یا اس کے برعکس دوسرے احتمالات کی بھی کوئی گنجائش ہے۔

۱۔حضرت یونس (علیہ الصلوٰۃ والسلام) بھی ایک قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔

وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا۔ (انعام) اور (نبی) اسمٰعیل، الیسع، یونس اور لوط۔

۲۔حضرت یونسؑ نے قوم کو پیغامِ حق سنایا اور قوم کے انکار اور سرکشی پر عذاب الٰہی کی خبر دے کر خود ہجرت کر کے چلے گئے

اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا (انبیاء) اور یونس خفا ہو کر چلے گئے۔

۳۔قوم امم ماضیہ کی ہلاکت کے حالات سن چکی تھی اس لیے جب اپنے درمیان نبی کو نہ پایا تو حقیقت حال اس کے سامنے منکشف ہو گئی، اور صدق دل سے ایمان لے آئی اور امم ماضیہ میں صرف یہی ایک قوم ہے جو بغیر استثنا سب کی سب مشرف باسلام ہوئی اور اس طرح خدا کا عذاب اُن سے ٹل گیا۔ افسوس کہ دوسری قوموں نے ایسا نہ کیا ورنہ وہ بھی عذاب سے نجات پا جاتیں۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ۔ (سورۂ یونس)

پس ایسا کیوں نہ ہوا کہ کوئی بستی ایمان لے آتی اور اُس کو ایمان لانا نفع پہنچاتا قوم یونس کے سوا۔ جبکہ وہ ایمان لے آئے تو ہم نے اُن سے ذلت کا عذاب ٹال دیا اور ایک مدت تک اُن کو پھلنے پھولنے دیا۔

وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ۔ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ (الصّٰفّٰت)

اور ہم نے اُس کو ایک لاکھ بلکہ اس سے زائد انسانوں کی طرف بھیجا پس وہ ایمان لے آئے اور ہم نے ایک مدت تک (دنیا میں) اُن کو بہرہ مند کیا۔

۴۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو بھی مکذبین و مصدقین کے بیان کردہ اعمال اور اعمال کے نتائج نیک و بد سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔

وَلَا تَكُونَنَّ كَالَّذِينَ كَذَّبُوا (الآیہ) تم اُن لوگوں کی طرح ہرگز نہ ہونا جنھوں نے اپنے نبی کی تکذیب کی۔
اب بتائیے قوم یونس کے ایمان کو ظاہری ایمان اور ناقص ایمان پر محمول کریں تو کیوں اور اس لیے؟ اور لما آمنوا میں ایمان کے قطعی اور صریح ذکر کے بعد حقیقی معنی کو بلا وجہ ترک کرنے کی کیا وجہ؟ کیا ایسا ایمان جو دراصل نفاق کی ایک خاص شکل ہو، اس قابل ہے کہ قرآن عزیز اس کا حوالہ دے کر دوسری قوموں کے ایمان نہ لانے اور خدا کے عذاب سے محفوظ رہنے پر اظہار تاسف کرے؟ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے آپ کی اُمت کو مکذبین اُمم ماضیہ کے طرز سے بیزاری، اور قوم یونس کے طرز کی پیروی کی ترغیب دینے کے لیے اس واقعہ کو بطور نظیر و شاہد کے پیش کرے۔
ترغیب تو اُس ایمان کی دیجائیگی جو عند اللہ مقبول و اجور ہو، نہ کہ محض ظاہری ایمان کی۔ اس لیے کہ ایمان ایک حقیقت ہے جو ظاہر و باطن دونوں میں یکسانیت و یکرنگی ہی کو چاہتا ہے۔ یہاں ظاہر و باطن کے فرق کی گنجائش ہی نہیں۔ اور جملہ فی الحیٰوۃ الدنیا سے یہ کس طرح سمجھ لیا گیا کہ آخرت میں اگرچہ وہ مستحق عذاب و نکال ہی رہیں لیکن دنیا میں چھٹکارا پا گئے۔
عذاب کیوں آنے والا تھا، حضرت یونسؑ نے عذاب الٰہی کی خبر کس لیے دی تھی؟ کیا اس لیے کہ وہ ظاہری ایمان کیوں نہیں لاتے اور حقیقت کا اعتراف کیے بغیر خدا اور اُس کے رسول کو نمائشی ایمان سے کیوں خوش نہیں کر دیتے، حاشا و کلا۔
اسی طرح جملہ قرآنی "کشفنا عنہم" کے متعلق یہ کہنا کہ لغت میں "کشف" کے معنی شی کے موجود ہو جانے بعد اس کو دور کرنے کے ہیں۔ اور اُس سے یہ اخذ کرنا کہ عذاب الٰہی آیا اور ایمان لانے کے بعد ہٹا لیا گیا، اور پھر یہ بحث پیدا کرنا کہ یہ ایمانِ مشاہدہ یا ایمان اضطراری ہے جو اگرچہ عند اللہ نامقبول ہے مگر دنیا میں مقبول ہے اور اس کا اس طرح جواب دینا کہ یہ صرف قوم یونس

ہی کی خصوصیت ہو انکے علاوہ نہ تو ماضی میں ایسا ایمان مقبول ہوا نہ مستقبل میں ہو! یہ بلاوجہ کنج وکاوش میں پڑنا اور بے سبب بحث کا دروازہ کھولنا ہے۔ اس لیے کہ جہاں تک کشف کے لغوی معنی یا قرآن عزیز میں اس معنی کے استعمال کا تعلق ہے اس کا کس کو انکار ہے کہ اس کے یہ معنی آتے ہیں، لیکن کشف کو صرف اس معنی میں محصور سمجھنا یہ صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ خازن اور بغوی میں ہے۔

والکشف لایکون الا بعد الوقوع او اذا قرب وقوعہ۔ اور کشف نہیں ہوتا مگر وقوع پذیر ہونے کے بعد یا اس حالت کے بعد کہ وہ شے قریب الوقوع تھی۔

جبکہ لغت ان دونوں معنی کو متحمل ہے تو پھر کیوں نہ ایسے معنی اس جگہ لیے جائیں جو امم ماضیہ کے بارے میں "سنۃ اللہ" اور قانونِ الٰہی کے عام دستور کے مطابق بھی ہوں اور اس کے ماننے کے بعد سوال وجواب اور بحث وتمحیص کی بھی ضرورت باقی نہ رہے خصوصاً جبکہ ضرورت مقام کے اعتبار سے وہی زیادہ سے زیادہ مناسب ہوں

اور سب سے زیادہ مضحکہ خیز وہ احتمال ہے جو مفسر لاہوری نے اختراع کیا ہے۔ اور وہ یہ کہ نبی کی انذاری پیش گوئیاں کبھی ٹل بھی جاتی ہیں اور پوری نہیں ہوتیں۔ جیسا کہ حضرت یونس کی پیشگوئی ٹل گئی۔ اب آپ ایک مرتبہ پھر شروع سے آخر تک قرآنِ عزیز کی بیان کردہ تصریحات کو پڑھیے اور جماعت احمدیہ کے امیر کے اُس باطل ادعا کو مطالعہ کیجیے جس پر ہم نے خطوط کھینچ دیے ہیں، تو آپ کو اندازہ ہو جائیگا کہ قرآن عزیز کے حقیقی معانی کی توضیح وتعبیر اور خود ساختہ عقائد کے زیر اثر قرآنِ عزیز کی آیات کے معانی کی تحریف، کے درمیان کیا فرق ہے نظم قرآنی کس قدر صاف اور صریح طور پر یہ بتا رہا ہے کہ حضرت یونس کا وعدہ عذاب ایمان نہ لانے کی بنا پر تھا گر جب قوم نے اُس کو پورا کر دیا تو مقصد حاصل ہو جانے کی وجہ سے عذاب ٹل گیا۔

گیا تفسیر بالرائے پر جرأت کرنے والا انسان اس کو بالکل ہی بھول جاتا ہے کہ نبی برحق اور متنبّی[1] کے وعدوں کے درمیان بہت بڑا تفاوت ہے۔ اس لیے متنبی کاذب کی جھوٹی پیشگوئیوں کی پردہ پوشی کے لیے انبیاء معصومین پر غلط تہمت تراشنے کی بیجا جرأت نہ کرنی چاہیے۔

اور تعجب بر تعجب ہے اس کتمان حق پر کہ ابن کثیر کا حوالہ دیتے ہوئے سابق و لاحق عبارت کو حذف کر دیا گیا۔ تاکہ اصل حقیقت پر پردہ پڑا رہے اور نا تمام عبارت سے ناجائز فائدہ حاصل ہو سکے چنانچہ ابن کثیر کی جس عبارت کا ترجمہ مفسر لاہوری نے پیش کیا ہے اس سے پہلے ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس عبارت سے اس مسئلہ کو شروع کیا ہے۔

والغرض انہ لم یوجد قریۃ آمنت بکمالہا بنبیہم ممن سلف من القری الا قوم یونس وہم اہل نینوی وما کان ایمانہم الا تخوفا من وصول العذاب الذی انذرہم بہ رسولہم بعد ما عاینوا اسبابہ وخرج رسولہم من بین اظہرہم فعندہا لجأوا الی اللہ واستغاثوا بہ وتضرعوا لدیہ واستکانوا واحضروا اطفالہم ودوابہم ومواشیہم وسألوا اللہ تعالی ان یرفع عنہم العذاب الذی انذرہم بہ نبیہم فعندہا رحمہم اللہ کشف عنہم العذاب واخروا کما قال

(قرآن عزیز کے اس واقعہ کے بیان کرنے کی) غرض یہ ہے کہ زمانہ ماضی میں ایسی کوئی بستی اور قوم نہیں پائی گئی جو کمال و تمام اپنے نبی پر ایمان لائی ہو صرف حضرت یونس کی قوم اس سے مستثنیٰ ہے جو کہ نینوی کی رہنے والی تھی اور پوری قوم کی قوم اپنے نبی پر ایمان لے آئی۔ اور اُن کا ایمان لانا صرف اُس عذاب کے خوف سے تھا جس سے اُن کے رسول نے اُن کو ڈرایا تھا اور اس کے بعد تھا کہ اُنہوں نے عذاب کے اسباب کا اسی حالت میں مشاہدہ کیا کہ اُن کا پیغمبر اُن کے درمیان سے ترک وطن کر گیا تھا۔ اُس وقت وہ اللہ کی پناہ چاہنے لگے، فریاد کرنے لگے، جناب الٰہی میں گڑگڑانے لگے، ذلیل ہونے لگے، اور اُنہوں نے اپنے بچوں، جانوروں اور چوپاؤں کو ایک جا جمع کیا اور دعا کی کہ اُن کے نبی نے جس عذاب سے اُن کو ڈرایا تھا اُن پر وہ عذاب

[1] جھوٹا مدعی نبوت

تعالیٰ الا قوم یونس لما امنوا کشفنا عنهم عذاب الخزی فی الحیوة الدنیا ومتعناهم الی حین واختلف المفسرون هل کشف عنهم العذاب الاخروی مع الدنیوی او انما کشف عنهم فی الدنیا فقط علیٰ قولین احدهما انما کان ذلك فی الحیوة الدنیا کما هو مقید فی هذه الآیة

نہ آئے اور اُن سے دور ہو جائے۔ اُس وقت اللہ نے اُن پر رحم کیا اور اُن سے عذاب ٹال دیا جیسا کہ ارشاد ہے الا قوم یونس لما امنوا کشفنا عنهم عذاب الخزی فی الحیوة الدنیا ومتعناهم الی حین۔ اور مفسروں میں اس بارہ میں اختلاف ہے کہ دنیوی عذاب کے ساتھ اُن سے اُخروی عذاب بھی ٹل گیا یا نہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ آیت میں "فی الحیوة الدنیا" کی قید ہے اخروی کا تذکرہ نہیں۔

والقول الثانی فیهما لقوله تعالیٰ و ارسلناه الی مائة الف او یزیدون فامنوا فمتعناهم الی حین. فاطلق علیهم الایمان والایمان منقذ من العذاب الاخروی وهذا هو الظاهر

اور دوسرا قول یہ ہے کہ قوم یونس عذاب دنیوی واخروی دونوں سے محفوظ ہو گئی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے متعلق ارشاد فرمایا ہے ترجمہ: ہم نے اُس (یونس) کو ایک لاکھ یا اس سے بھی زائد آبادی پر بھیجا پس وہ ایمان لے آئے اور ہم نے اُنکو ایک مدت تک (دنیا میں) بہرہ مند کیا۔ (انتہی) حق تعالیٰ نے اس مقام پر اُنکے لیے "آمنوا" فرما کر مطلق ایمان کا ذکر کیا ہے اور ایمان اُس شے کا نام ہے جو عذاب اخروی سے نجات دلاتا ہے اور یہی قول ظاہر ہے۔

اب اِس پوری عبارت کو ملاحظہ فرمائیے اور بتائیے کہ اس عبارت کے کس جملہ یا کس لفظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت یونس نے جس بناء پر عذاب الٰہی کی خبر دی تھی اُس کے پورا نہ ہونے کے باوجود خدا کا عذاب ٹل گیا اور حضرت یونس کی انذاری پیشگوئی پوری نہ ہوئی اور انہی ابن کثیر نے سورۂ انبیاء کی تفسیر میں کہا ہے فخرج من بین اظهرهم مغاضبا لهم و وعدهم

بعد ثلث فلما تحققوا منہ ذلك وعلموا ان النبی لا یکذب خرجوا الی الصحراء الخ

بہرحال محققین علماء تفسیر کے نزدیک اس آیت کی تفسیر صاف و صریح اور الجھاؤ سے محفوظ وہی ہے جو ہم نے بیان کی ہے۔ باقی احتمالات یا تو محض عقلی ہیں یا ضعیف و موضوع روایات و اقوال پر مبنی۔

اور کوئی ایک صحیح روایت بھی نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی ثابت نہیں جو ان احتمالات کی تائید کرتی ہو۔

الغرض حضرت یونس علیہ السلام کے اس واقعہ میں کوئی ایک امر بھی ایسا نہیں ہے جو ام ماضیہ اور اُن کے انبیاء علیہم السلام کے درمیان بیان کردہ واقعات قرآنی سے الگ کسی ایسی صورت میں بیان کیا گیا ہو جس میں اول شک و شبہ کی گنجائش پیدا ہوتی ہو یا اُن کے وعدہ کی خلاف ورزی معلوم ہوتی ہو اور پھر اُس کے جواب کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت پیش آئے۔

اس واقعہ کی خصوصیت صرف یہ ہے کہ مکذبین (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو غفلت سے بیدار کیا جا رہا ہے کہ اُن کو بھی یونس (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی قوم کی طرح ایمان لے آنا چاہیے تاکہ عذاب الٰہی سے نجات مل جائے۔ اور نہایت لطیف اشارہ اس جانب ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین پر بھی عذاب عام نہ آئیگا اور وہ آپ پر ایمان لے آئینگے۔

حضرت یونس (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے واقعہ کی دوسری کڑی سورۂ انبیاء کی آیت سے متعلق ہے۔

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ	اور مچھلی والے کو جب چلا گیا غصہ ہو کر پھر سمجھا کہ ہم اُس پر تنگی نہ
اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ	ڈالینگے۔ پھر پکارا اندھیروں میں کہ کوئی حاکم نہیں سوا تیرے، تو
اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ	بے عیب ہے، میں تھا خطاکاروں میں سے۔ پھر سن لی ہم نے

مِنَ الظّٰلِمِيْنَ. فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ

اُس کی فریاد، اور بچا دیا اُس کو اُس گھٹن سے، اور یونہی ہم بچا دیتے ہیں ایمان والوں کو۔

اس آیت کے ذھب مغاضباً (غصّہ ہو کر چلا گیا) کے جملہ میں باوجود ایک اور صرف ایک معنی کے جو بلاشک وشبہ قطعی اور یقینی ہیں بعض مفسرین نے دوسرا احتمال بھی بیان کیا ہے جس کے باطل اور سراپا باطل ہونے کا اتنا ہی یقین ہے جتنا کہ پہلے معنی کے حق میں ہونے کا۔

بات صرف اس قدر رہے کہ لفظ مغاضباً کے متعلق یہ سوال ہوتا ہے کہ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کس سے خفا ہو کر چلے گئے

سلف وخلف میں تمام مستند علماء تفسیر کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت یونس اپنی قوم سے ناراض ہو کر نینویٰ سے اس لیے چلے گئے کہ قوم نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا تھا اور اُنھوں نے تین دن کے اندر خدا کے عذاب نازل ہو جانے کی اُن کو خبر دیدی تھی۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

والصحیح فی قولہ تعالیٰ اذ ذھب مغاضباً انہ مغاضب لقومہ لکفرھم وھو قول ابن عباس والضحاک وغیرھما لا لربہ اذ مغاضبۃ اللہ تعالیٰ معاداۃ لہ و معاداۃ اللہ کفر لا یلیق بالمومنین، فکیف بالانبیاء علیھم السلام۔

اور اللہ تعالیٰ کے قول اذ ذھب مغاضباً میں صحیح بات یہ ہے کہ حضرت یونس اپنی قوم کے کفر کی وجہ سے غصہ میں آگئے، یہی ابن عباس ضحاک وغیرہ کا قول ہے۔ یہ معنی نہیں ہیں کہ اپنے رب سے ناراض ہوگئے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ سے غصہ اس کے ساتھ دشمنی کا اظہار ہے اور اُس سے دشمنی ایک مومن کی شان سے بھی بعید ہے چہ جائیکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرف اس کی نسبت کی جائے

مگر تورات میں مذکور ہے کہ حضرت یونس اللہ تعالیٰ سے اس بات پر ناراض ہو کر چلے گئے کہ اُس نے اُن کی قوم سے عذاب کیوں ٹال دیا۔ اُن کا یہ خیال جم گیا کہ اب اگر بستی میں جاؤں گا تو قوم

سمجھ لیا کہ پھیگی اور میں منہ دکھلانے کے قابل نہ رہونگا۔ ایسی باطل اور بیہودہ احتمال کو بعض غیر محتاط مفسرین نے بے سند نقل کر دیا ہے مگر انہوں نے یہ نہ سوچا کہ نبی و رسول تو کجا یہ خیال تو کسی معمولی مسلمان کے دل و دماغ میں بھی نہیں آسکتا، اس لیے ایک نبی معصوم کے متعلق ایسی بات کہنا کس طرح جائز ہو سکتی ہے۔

اس آیت کا دوسرا جملہ " وَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ " (اور اس نے سمجھا کہ ہم اس پر تنگی نہ ڈالینگے یا اس کی گرفت نہ کرینگے) مفسرین میں قابل بحث رہا ہے۔

پہلے اس آیت سے متعلق واقعہ کی تشریح سمجھ لیجیے تاکہ مفسرین کے اقوال سمجھنے میں آسانی ہو۔ یہاں یہ ذکر ہے کہ حضرت یونس نے اپنی قوم کو ان کے تمرد و سرکشی پر جو تین روز کے اندر عذاب الٰہی کے آنے کی خبر دی تھی، قوم نے اس وقت اس کی کوئی پروا نہ کی، تب یہ قوم سے ناراض ہو کر نینوی سے ترک وطن (ہجرت) کر کے چلدیے، اور اپنے خیال میں یہ طے کر لیا کہ چونکہ ان پر عذاب الٰہی آنے والا ہے، اس قوم سے ہجرت کر جانا ہی مناسب ہے، اور ایسا کرنے میں خدائے تعالیٰ نہ مجھ کو کسی مشکل میں پھنسائینگے اور نہ میرے اس عمل پر گرفت کرینگے۔

حضرت یونس کا یہ عمل اگرچہ گناہ نہ تھا کسی قسم کی خطا نہ تھی، نافرمانی نہ تھی۔ اسی لیے قاضی عیاض نے تصریح کی ہے

ولیس فی قضیۃ یونس علیہ السلام نص علی ذنب۔	حضرت یونس کے قضیہ میں ایک لفظ سے بھی گناہ ثابت نہیں ہوتا۔

تاہم ہجرت ایک شرعی امر ہے اس کے لیے اذن الٰہی کی ضرورت ہے اور ایک نبی کے لیے لازم و ضروری ہے کہ وحی کا انتظار کرے اور جب اجازت مل جائے تو اس پر عمل پیرا ہو۔ مگر حضرت یونس اس میں عجلت کر بیٹھے، اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا

ولا تکن کصاحب الحوت اذ ابق الی الفلک المشحون (الصّٰفّٰت)	تو مچھلی والے (یونس) کی طرح نہ ہو جانا جبکہ وہ (جلدبازی میں) اپنی قوم سے چلا گیا کشتی کی طرف جو بھرپور تھی۔

تب بمصداق "حسنات الابرار سیئات المقربین" (بھلوں کی خوبیاں بھی درگاہ الٰہی کے مقربین کے لیے برائیاں بن جاتی ہیں) اللہ تعالیٰ نے اُن کی عجلت پر گرفت کی اور اُن کو مچھلی کا لقمہ بنا کر اُن کو تنگی اور ضیق میں ڈال دیا۔ اسی لیے والصّٰفّٰت میں حضرت یونس کے اس فعل کو "ابق الی الفلک" کہہ کر اباق (فرار) سے تعبیر کیا۔ اور ہجرت کے محترم و باعظمت لفظ سے تعبیر نہ کیا چنانچہ حضرت یونس کو تنبہ ہوا اور فوراً ہی اپنی اس لغزش کو گناہ کے برابر سمجھ کر درگاہِ الٰہی میں دعا گو ہوئے اقرار جرم کیا، اور بخشش چاہی۔ خدائے تعالیٰ نے اُن کی فریاد سُن لی اور اُن کو نجات دیدی۔ واقعہ کی اس تفصیل کے بعد اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ یہاں بحث کا اصل رُخ کیا ہے؟

بحث کا اصلی رُخ لفظ "قدر" کے معنی کی جانب ہے یعنی اس کے معنی کیا ہیں؟ تاکہ آیت کے اس جملہ کا صحیح مفہوم معلوم ہو سکے۔ ابن کثیر، ابن جریر، اور دوسرے جلیل القدر مفسرین نے اس کے دو معنی بیان کیے ہیں:۔

(۱) لن نقدر علیہ۔ ای لن نضیق علیہ یعنی قَدَر بمعنی ضَیَّقَ (تنگی)

ضحاک، مجاہد کا یہی قول ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایک روایت اس کے مطابق ہے اور ابن جریر اس کو قابل ترجیح سمجھتے ہیں۔ اور راغب، امام لغت بھی اس معنی کی تصدیق کرتے ہیں اور دلیل میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو پیش کرتے ہیں۔ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ۔ "اور جس پر رزق تنگ کر دیا گیا ہے اُس کو چاہیے کہ جتنا خدا نے اُس کو دیا ہے اسی سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرے"۔

اس آیت میں "قدر" کے معنی ضیق (تنگی) کے مسلّم ہیں۔

(۲) عطیہ عوفی کا قول ہے "لن نقدر علیہ" لن نقضی علیہ یعنی ہم اُس پر حکم نہ کرینگے، اُس کی گرفت نہ کرینگے۔ یہاں قدر بمعنی تقدیر ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ عرب قَدَرَ اور قَدَّرَ کو ایک معنی میں بولتے ہیں۔ اور اس کے لیے عرب شاعر کا شعر سند میں پیش کیا ہے اور دوسری دلیل قرآنِ عزیز کی یہ آیت ہے۔ فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَىٰ أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ (پس مل گیا پانی اُس حکم کے مطابق جو طے کردیا گیا تھا یا جس کا حکم کردیا گیا تھا) یہاں قُدِرَ بمعنی قُدِّرَ استعمال کیا گیا ہے۔

ان دونوں معنی کے اعتبار سے آیت کا مفہوم یہی ہوتا ہے کہ حضرت یونس جب نینوی سے اپنی قوم سے ناراض ہوکر چلے تو اُنھوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اس عمل پر نہ اُن کی کوئی گرفت ہوگی نہ اُن پر اس کی وجہ سے کوئی مشکل ڈالی جائیگی۔ لیکن بعض مفسرین اس لفظ "قدر" کے معنی یہاں قدرت سے ماخوذ سمجھتے ہیں اور اس صورت میں "لن نقدر علیہ" کا ترجمہ "ہم اُس کو نہ پکڑ سکینگے، یا نہ پکڑ پائینگے"، ہوگا

صاحب روح المعانی کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے نقدر کو قدرت کے معنی میں سمجھا اور پھر اُن کو سخت مشکل پیش آئی کہ ایسا عقیدہ نبی تو کجا معمولی مسلمان کا بھی نہیں ہوسکتا تب اُنھوں نے حضرتِ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف رجوع کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اُن کو وہی معنی بتائے جو اُن کے مسلک میں بیان ہوچکے ہیں۔

اس کے بعد "قدرت" کے معنی تسلیم کرتے ہوئے پیدا شدہ اشکال اور اعتراض کو دفع کرنے کے طریق ذکر فرماتے ہیں، لکھتے ہیں۔

"قدرت" کے معنی بھی بن سکتے ہیں یا تو مجاز کے طور پر، کہ قدرت سے مُراد "قدرت کو کام میں لانا" ہے یعنی اُس نے سمجھا کہ ہم اُس پر اپنی قدرت کا استعمال نہ کرینگے، یا تمثیل کے طور پر، کہ اس کا یہ طرزِ عمل اُس شخص کا سا تھا جو یہ سمجھے ہوئے ہو کہ ہم اُس پر قدرت نہیں رکھینگے۔

اب اس توضیح کے بعد بآسانی یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ پہلے دونوں معنی بے غل وغش اور اشکال واعتراض سے پاک ہیں، اس لیے اُن ہی کو ترجیح ہونی چاہیے بلکہ قرآن عزیز کا اندازِ بیان اُن ہی معانی کی سفارش کرتا ہے۔

اور تیسرے معنی اگر نقل کے اعتبار سے اپنے عام مفہوم پر محمول کیے جائیں تو وہ کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتے اور ایک معمولی ایماندار پر بھی اُن کا اطلاق نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ ایک معصوم پیغمبر اور نبی برحق پر۔ ہاں اگر توجیہات، تاویلات کی پناہ لی جائے اور باب تمثیل یا باب مجاز کو توضیح آیت کا ذریعہ بنایا جائے تو ایک حد تک معنی اعتراض و اشکال سے محفوظ ہو کر قابل تسلیم ہو سکتے ہیں۔ لیکن اگر آپ روح المعانی یا فتوح الغیب وغیرہ تفاسیر کا مطالعہ کرینگے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اس تیسرے معنی میں توجیہ و تاویل کا دروازہ کھولنے سے ایک صاف اور سادہ معنی میں کس قدر پیچیدگیاں بڑھتی چلی گئی ہیں۔ اور خدا کے ایک سچے نبی کے ظن کو معمولی انسانوں کے ظنون فاسدہ کی طرح کس کس طرح تختہ مشق بنایا گیا ہے اور پھر ان جلیل القدر مفسرین کو ان اقوال کے ابطال میں کس قدر کاوش کرنی پڑی ہے۔

(باقی)